عاشقوں کے دیار میں

(در دیارِ عاشقان)

ایران میں ایک ہفتہ

مظفر علی رضوی (کشمیر)

عاشقوں کے دیار میں

آج سے سولہ سال پہلے کی بات ہے جب میں (اُن دنوں کے) مرکزِ جہانی علوم اسلامی کے تحت قائم شدہ مدرسہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ میں زیرِ تعلیم تھا ۔ یہ مدرسہ ان ہی دنوں خیابانِ خاکفرج کے میدانِ الہادی کے مدرسہ خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منتقل ہوکر خیابان ۱۹ دی کے میدانِ جہادِ ساز زندگی میں ایک جدید ترین اور قم میں (طلاب غیر ایرانی کیلئے) سب سے بڑے مدرسے کی شکل میں وجود میں آیا تھا۔ مدرسہ خاتم سے میری گہری وابستگی اور سنہری یادیں کبھی بھی میرے قلب وذہن سے محو نہیں ہوسکتیں۔ مدرسہ امام خمینی میں درس وتدریس اور قیام وطعام کا شاندار انتظام تھا۔ بدقسمتی سے میں ''ریقان'' کے موذی مرض میں مبتلا ہوا اور تقریباً ۱۲ سال کے عرصے کے بعد میں ایران چھوڑنے پر مجبور ہوگیا اور میری حالت چونکہ انتہائی نازک تھی اس لئے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں دوبارہ اس عظیم سرزمین میں وارد ہوسکوں گا۔ بہر حال خدا کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے اسے کوئی نہیں جانتا۔

اس سال مجھے بھی جمہوری اسلامی ایران کے بانی اور اس صدی کے عظیم فقیہ ومجاہد حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی ستائیسویں برسی میں شرکت کرنے اور اسی بہانے ایران میں تقریباً ایک ہفتہ گزارنے کا موقعہ ملا۔ میرے اس سارے سفر کا سہرا دہلی میں مقیم اسلامی جمہوری ایران کے سفارتخانے میں سیاسی امور کے مشیر جناب حسن محسنی فرد کے سر جاتا ہے جنہوں نے اس ملک کے کلچر ہاؤس، تلک مارگ نئی دہلی، کو میرا نام اس مقصد کیلئے روانہ کیا۔ اس مختصر سے سفر کے دوران بہت ساری باتیں دیکھنے کو ملیں جنکی تفصیل ذیل کی سطور میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

کشمیر سے روانگی:

ایران کلچر ہاؤس نئی دہلی کی طرف سے ہمیں جو ای میل موصول ہوا تھا اس میں ہم سے کہا گیا تھا کہ ہم ۳۱ مئی کی شام تک وہاں (دہلی) پہنچ جائیں اس لئے میں کشمیر سے جموں کیلئے ۲۸ مئی کو روانہ ہوا، اور شام کو جب میں جموں پہنچا تو دہلی کی شدید گرمی سے بچ نکلنے کیلئے آج رات کو جموں میں ہی قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگلے روز جموں سے دہلی روانہ ہوا، اور ۳۰ تاریخ کی صبح کو دہلی پہنچا۔ یہاں موسم بارشوں کی وجہ سے کچھ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ میں نے جامع مسجد علاقے میں ایک کمرہ بک کیا اور دن بھر آرام کرنے کے بعد اگلے روز صبح سویرے ہی ایران کلچر ہاوس پہنچا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہاں سب سے پہلے میں پہنچا ہوں لیکن دو چار حضرات جو ہندوستان کے دوسروں شہروں سے تھے، وہاں پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔ میں نے وہاں سے اپنا پاسپورٹ حاصل کیا جس پر ایران کا ویزا لگ چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اور مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ سرینگر سے ڈاکٹر ماجد بھی آگئے تھے۔ دن بھر ایران ہاؤس کی لائبریری میں کتابوں اور رسائل کے صفحات کی الٹ پھیر کرتا رہا۔

مراسم بدرقہ

مغربین کی نماز سے پہلے ''مراسم بدرقہ'' (خدا حافظی) کا پروگرام منعقد ہوا جسمیں کلچر ہاؤس کے ڈپٹی ڈائرکٹر جناب **حجۃ اللہ عابدی صاحب** نے حضرت امام خمینی کی سیرت پر بھرپور روشنی ڈالی اور ان کی پابندئ اوقات اور دوسری صفات کی طرف توجّہ دلائی۔ اس موقعے پر انہوں نے تصوّف اور عرفان کے درمیان پائے جانے والے فرق کی طرف بھی اشارہ کیا۔ ان کی تقریر کے دوران ہی کلچر ہاؤس کے ڈائریکٹر جناب **علی دہگاہی صاحب** بھی تشریف لائے۔

دہگاہی صاحب تاریخ کے ریسرچ سکالر ہیں، انہوں نے ہندوستان و ایران میں پائے جانے والے مشترکات کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ ہندوستان اور ایران اس لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں کہ دونوں ملکوں نے مسلط طاقتوں سے آزادی لی، ہند نے بلا واسطہ ایک قابض حکومت انگریزوں سے آزادی پائی جبکہ ایران نے ایک ایسی شاہنشاہیت سے حضرت امام خمینی کی قیادت میں آزادی پائی جو دراصل دوسری بیرونی طاقتوں کی کٹھ پتلی تھی۔ اسی پروگرام میں میری ملاقات عزیزم مولانا نذیر احمد ڈار سے ہوئی، وہ بھی کشمیر سے اس پروگرام میں شامل ہونے کیلئے آئے تھے۔ ہم دونوں کو اس بات پر بڑا افسوس ہوا کہ ہمیں ایک دوسرے کے آنے کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا ورنہ ہم سرینگر میں ہی اپنے اس سفر کے معاملات طے کرتے۔ اس دوران ایک اور کشمیری سید عابد حسین سے بھی ملاقات ہوئی وہ بھی اس سفر میں شامل رہے۔ مغربین کی نماز کے بعد ایرانی طرز کا کھانا (جوجہ کباب) پروسا گیا اور سب لوگ ساڑھے نو بجے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے کیونکہ ہمیں اسی وقت یہاں سے ایرپورٹ کیلئے روانہ ہونا تھا۔

ساڑھے نو بج گئے اور سب لوگ اپنا اپنا سامان اٹھانے لگے۔ یہ منظر قابل دید تھا جب سبھی مہمانوں کو قرآن مجید کے سائے تلے بس کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ گاڑی نکل پڑی اور ہم تقریباً سوا گیارہ بجے اندرا گاندھی بین الاقوامی ہوائی اڈے پر پہنچے۔ یہاں حسب معمول کافی بھیڑ تھی۔ بورڈنگ پاس اور تلاشی کے مراحل سے گزر کر ''امیگریشن'' کا مرحلہ درپیش تھا، میں بہت گھبرایا ہوا سا تھا کیونکہ مجھے ممئی (ان دنوں کے بمبئی) ایرپورٹ کے امگریشن عملے کے سخت اور ناخوشگوار رویے کا کئی بار سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن یہاں کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور امگریشن کلیرنس بڑی آسانی سے ہوئی۔

دہلی سے ہمارے ساتھ ایران کلچر ہاؤس کے ڈپٹی ڈائریکٹر جناب **حجۃ اللہ عابدی صاحب** بھی تہران کیلئے روانہ ہوئے۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ بھی ہماری طرح کفایتی کلاس میں ہی سفر کر رہے تھے۔

دہلی سے تہران کیلئے ''ماہان ایر'' سے ہماری اڑان دو بجے کو روانہ ہوئی (اب یہ جون کی پہلی تاریخ تھی)۔ ہمارا جہاز ۱۱ ہزار میٹر کی بلندی پر کم سے کم ساڑھے آٹھ سو کلومیٹر کی (زمینی) رفتار سے اڑان بھرتا رہا اور ہم مقامی وقت کے مطابق سوا پانچ بجے صبح تہران کے امام خمینی بین الاقوامی ہوائی اڈّے پر اترے۔ باہر موسم بڑا خوشگوار تھا اور درجہ حرارت ۱۹ درجہ سیلسیس تھا۔۔ میں بڑا خوش تھا کہ جس ملک نے مجھے ۱۲ سال تک برداشت کیا آج ایک بار پھر میں اسی پاک سرزمین پر ۱۶ سال کے وقفے کے بعد اپنے قدم رکھ پایا تھا۔ باہر ایک شاندار بس ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ میں بس میں بیٹھا پرانی یادوں میں مگن کچھ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن مجھے سب کچھ نیا سا لگ رہا تھا۔

میں ''میدان آزادی'' کو ڈھونڈھ رہا تھا لیکن یہ کیا، وہ شاندار تاریخی ٹاور، جو ایران کی پہچان ہے، مجھے نظر نہیں آرہا تھا! میں نے سراسیمگی کی حالت میں جناب عابدی صاحب سے پوچھا ''جناب! یہ کہاں سے ہم گزر رہے ہیں۔ میدان آزادی۔۔۔ مہرآباد کہاں!'' عابدی صاحب نے کہا اب مہرآباد کا ہوائی اڈہ بین الاقوامی پروازوں کے لئے بند ہے۔ یہ نیا ہوائی اڈہ ہے جو قم کی حدود میں بنایا گیا ہے، اس کے سولہ ٹرمنل ہیں اور ہر ٹرمنل پورے مہرآباد ہوائی اڈے کے برابر ہے۔

مجھے یاد آیا کہ جن دنوں میں قم میں زیر تعلیم تھا انہی دنوں ایک نئے ہوائی اڈّے کے قیام کی بات چل رہی تھی اور یہ وہی نیا ہوائی اڈہ ہے۔ البتہ مہر آباد ہوائی اڈے کو اب داخلی پروازوں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

تہران میں آمد:

ہم جب تہران میں داخل ہوئے تو مجھے اقبال کا یہ شعر یاد آ رہا تھا:

تہران گر ہو عالم مشرق کا جنیوا　　شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

یہاں ایران کے قومی پرچم کے ساتھ ساتھ ہمیں سیاہ پرچم استقبال کرتے نظر آئے جو اسلامی انقلاب کے بانی حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی ستائیسویں برسی کے موقعے پر لہرائے جا رہے تھے۔ قومی پرچم کے بارے میں، میں نے جناب عابدی صاحب سے پوچھا کہ اسلامی انقلاب سے پہلے ایران کا قومی پرچم کیسا تھا انہوں نے جواب دیا کہ اس کے رنگوں اور ان کی ترتیب (پہلے سبز، اسکے بعد سفید اور اس کے نیچے سرخ) میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی البتہ اس پرچم کے بیچ میں انقلاب سے پہلے ''سورج اور شیر'' کی تصویر ہوا کرتی تھی جو اب ''اللہ'' کے خوبصورت نشان میں بدل گئی ہے۔ ہماری بس تہران کے ''میدان ولی عصر'' پہنچی اور ہمیں ہیں ایک فور سٹار ہوٹل، ہوٹل کوثر، لے جایا گیا جہاں کمرے الاٹ کئے گئے۔ ہم تین (راقم الحروف، مولانا نذیر احمد اور سید عابد) نے ایک ہی کمرہ لیا۔ اور اس کے بعد ہمیں

یہاں کے بہت ہی شاندار اور خوبصورت ریسٹورنٹ ''سالنِ زمرد'' میں ناشتے کیلئے جانے کو کہا گیا۔

یہاں ''سیلف سرویس'' کی بنیادوں پر ناشتہ کرنا تھا۔ اتنی نعمتیں تھی کہ، کیا کھایا جائے اور کس چیز کو چھوڑ دیا جائے، اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

ناشتے کی میز پر میری ملاقات کئی ممالک کے مندوبین سے ہوئی جن میں جورجیہ اور چین کے کچھ لوگ بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ میرے علیگڑھ کے ساتھی سید محمد کاظم کے دو بھائیوں نقی کاظم اور حسن کاظم سے بھی ملاقات ہوئی۔

کرگل سے ہل ڈیولپمنٹ کونسل کے ایک وزیر مملکت جناب سید عباس رضوی بھی یہاں آئے تھے، وہ جس خندہ پیشانی سے مجھ سے اور دوسرے مہمانوں سے ملتے تھے اس سے قطعاً بھی انکی منسٹری نہیں جھلکتی تھی بلکہ وہ خود کو امام رضا علیہ سلام کا ایک زائر سمجھ کر اپنی قسمت پر نازاں تھے۔ ناشتے سے فراغت کے بعد سبھی مہمان آرام کرنے کی سوچ رہے تھے لیکن ہوٹل میں ''ستادِ مرکزی بزرگداشت حضرت امام خمینی'' کے نمایندے آقای امدادی نے بتایا کہ ہمیں ''کتابخانہ ملّی'' جانا ہے جہاں ''اندیشہ ہای سیاسی امام'' (امام خمینی کے سیاسی افکار) کے عنوان سے ایک کانفرنس ہو رہی ہے۔

ہمیں موبائل فون اور کیمرہ ساتھ لینے کی اجازت نہیں دی گئی جس کی وجہ سے اس کانفرنس کی تصاویر نہیں لے سکے۔ اس کانفرنس میں کئی پر مغز اور محتوی سے بھرپور مقالے پیش کئے گئے۔ اس کانفرنس میں ایک یہودی عالم نے بھی حضرت امام خمینی کی سیاسی بصیرت پر سیر حاصل تقریر کی اور مختلف ممالک اور مختلف مذاہب وادیان کے نمایندوں نے اپنے مقالات پڑھے۔ اس موقعے پر میڈیا کے نمایندوں کا ایک جم غفیر امڈ آیا تھا جو مختلف زبانوں میں شرکت کنندگان کے انٹرویو لے رہے تھے، دو ایک چینل تو میرا بھی انٹرویو لے گئے۔ اس کانفرنس کے حاشیے میں حضرت امام خمینی کی ان تصویروں، جن میں وہ مسکراتے نظر آ رہے ہیں، کی ایک نمائش ''لبخند امام'' (امام کی مسکراہٹ) کے عنوان سے لگائی گئی تھی۔ افسوس کہ میں اس نمائش کی کوئی تصویر نہیں لے پایا۔ کانفرنس کے خاتمے پر نماز ہوئی اور مہمانوں اور حاضرین کو کھانا دیا گیا البتہ یہاں سیلف سرویس نہیں تھی بلکہ مامور کارکن ہی مہمانوں کی پذیرائی کر رہے تھے۔ اس کے بعد ہمیں یہ کتابخانہ دکھایا گیا جو ایران کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، یہاں نوادر کتب کے علاوہ ایران کے تاریخی دستاویزات موجود ہیں۔ امام خمینی کا پاسپورٹ بھی اس کتاب خانے میں محفوظ

ہےاورہمیں ایک ایسا قران بھی دکھایا گیا جسمیں بیس کلوسونے کا استعمال کیا گیا ہے۔اس موقعے پر کتاب خانے کی ایک آفیسر، خانم شجاعی، ہمیں اس کتابخانے کی تفصیل بتاتی رہیں۔اس سب کے بعد ہم پھر اپنے ہوٹل چل دئے۔

ہوٹل لالہ میں کانفرنس:

اگلے روز ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ہمیں تہران کے مشہور بین الاقوامی ہوٹل، ہوٹل لالہ لیجایا گیا جہاں ''امام خمینی اور اتحاد اسلامی'' کے عنوان سے ایک شاندار بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی اس کانفرنس میں دنیا بھر کے جیّد عالموں اور دانشوروں نے اپنی تقریروں میں اسلامی اتّحاد کی اہمیت اور ضرورت پر تفصیلی روشنی ڈالی۔اس موقعے پر حضرت آیت اللہ خامنہ ای کے بین الاقوامی امور کے مشیر آیت اللہ محمد علی تسخیری نے بھی خطاب کیا انہوں نے عربی میں تقریر کی کیونکہ حاضرین میں سے اکثر مہمان عرب ممالک سے آئے تھے۔اس کے علاوہ اردن، لبنان، پاکستان، افغانستان اور ہندوستان کے مندوبین نے تقریریں کی جن کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمیں دشمن کی سازشوں سے ہوشیار رہ کر اسلامی اتحاد کی خاطر ہر ممکن قدم اٹھانا ہوگا۔

اس موقعے پر ایران کے ایک سنّی پارلیمنٹ ممبر نے بھی خطاب کیا اور انہوں نے حضرت امام خمینی کی برسی کے موقعے پر منعقد اس پروگرام کے منتظمین کا شکریہ ادا کیا کہ وہ حضرت امام خمینی کے ''پیغامِ وحدت'' کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کی تلاش میں ہیں۔انہوں نے غیر ملکی مہمانوں سے استدعا کی کہ وہ جب اپنے وطن واپس جائیں تو وہاں کے عوام کو بتلادیں کہ ایران میں سنّی اقلیت کو ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل ہے اور میڈیا میں آئے جو خبریں ایرانی سنّیوں اور انکے مقدسّات کے ساتھ ناشائستہ سلوک کے بارے میں آتی رہتی ہیں وہ طاغوتی نظام اور اسلام دشمنوں کے پروپاگنڈا کا حصہ ہیں اور ان میں کسی بھی طرح کی سچّائی نہیں ہوتی۔اس کانفرنس میں مجمع جہانی اہلبیت کے دبیر کل حضرت آیت اللہ اختری نے بھی خطاب کیا۔کانفرنس کی رونق میں اس وقت چار چاند لگ گئے جب امام خمینی کے پوتے حضرت آیت اللہ حسن خمینی تشریف لے آئے۔اگرچہ میں نے انہیں اس سے پہلے بھی دیکھا تھا لیکن آج پہلی بار ان سے ہاتھ ملانے اور قریب سے ان کی ایک تصویر لینے کا موقع ملا۔حسن خمینی کے شکریہ کے الفاظ کے ساتھ ہی کانفرنس ختم ہوئی اور نماز اور کھانے کے بعد ہم واپس اپنے ہوٹل کی طرف چل دئے۔

تیسرا دن۔۔۔مرکزی پروگرام

تین جون، جمعہ، کے دن اس سلسلے کا سب سے اہم اور بڑا پروگرام منعقد ہونا تھا۔ہمیں ناشتے کے فوراً بعد گاڑیوں میں سوار ہونے کیلئے کہا گیا۔آج ہمیں حضرت امام خمینی کے مرقد ''بہشت زہرا'' جانا تھا، جو تہران اور قم کے بیچ میں واقع ہے۔یہاں مزار شہداء ہے جہاں ہزاروں کی تعداد میں وہ لوگ دفن ہیں جنہوں نے ایران میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

عراق کی طرف سے ایران پر تحمیل کئے جانے والے جنگ میں ہونے والے سینکڑوں شہیدوں کی قبریں بھی اسی قبرستان میں دفن ہیں۔یہ شاید ایران کا سب سے بڑا اور خوبصورت قبرستان ہے۔

حضرت امام خمینی کا مرقد، جو میری طالب علمی کے زمانے میں زیر تعمیر تھا، ایرانی آرٹ، فن تعمیر اور ایرانی عوام کا اپنے عزیز رہبر کے ساتھ والہانہ اور بے پناہ محبت کا ملا جلا نمونہ ہے جہاں ہزاروں ''تاج محل''، لاکھوں ''وہایٹ ہاوس'' اور کروڑوں ''لندن برج'' بے نور نظر آتے ہیں۔

اس مرقد پر روزانہ ایران کے اطراف واکناف سے ہزاروں زائرین اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرنے آتے ہیں اور اس پر ''آستان، وعدہ گاہ

عاشقان'' کا مقولہ صادق آتا ہے۔ چونکہ آج یہاں ایران کی ساری آبادی جمع ہوئی تھی اور اسلامی انقلاب کے ہر دل عزیز رہبر حضرت آیت اللہ خامنہ ای ،حکومت اور مملکت کی سرکردہ شخصیات کو آنا تھا اس لئے سیکیورٹی کے سخت ترین انتظامات کئے گئے تھے یہاں تک کہ ہمیں بھی ان مراحل سے گزرنا پڑا اگرچہ ہمارے لئے مخصوص انتظامات کئے گے تھے۔ ہر طرف انسانی سر نظر آرہے تھے، جوان، بوڑھے، بچّے اور عورتیں ایران کے مختلف شہروں سے اپنے اپنے قافلوں کے پرچم لہراتے اور امام عزیز کی یاد میں مرثیہ پڑھتے مرقد کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ مجھے یاد آیا کہ ایک بار جب ہم امام کی برسی منانے یہاں قم سے آئے تھے،لوگ'' اے جماران رھبر مارا چہ کردی!!!

(جماران!تم نے ہمارے رہبر کو کہاں رکھا)'' کا نوحہ پڑھ رہے تھے۔ آج ایک بار پھر ایسا لگ رہا تھا کہ امام خمینی ستائیس سال پہلے نہیں بلکہ آج ہی، ابھی انتقال کر گئے ہوں۔ ہر طرف ''امامِ دلہا (دلوں کے امام'' کے بینر اور پلاکارڈ نظر آرہے تھے۔ مجھے اس موقعے پر اقبالؔ کا یہ شعر بار بار یاد آرہا تھا:

''دارا و سکندر سے وہ فقیر مرد اولیٰ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی''

سچ مچ امام خمینی آج بھی دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ میں نے ایک ٹیلی ویژن چینل کے ایک نمایندے کو ایک ایرانی جوان سال لڑکی سے بات چیت کرتے ہوئے دیکھا جس نے امام خمینی کا زمانہ قطعاً نہیں دیکھا ہوگا۔ اس کا یہ جملہ میں نے چلتے چلتے سنا: ''ما آمدیم تا راہِ امام را ادامہ دھیم'' ہم آئے ہیں تا کہ امام خمینی کے دکھائے ہوئے راستے کو آگے لیجائیں۔ ہم مرقد امام کے اندر داخل ہوئے، جہاں ہمارے لئے نشستیں مخصوص تھیں، کرسیاں بچھائی گئیں تھیں۔ نوحہ خوانی ہو رہی تھی۔ اس کے بعد حسن خمینی کی تقریر ہوئی لیکن حاضرین کی طرف سے بہت دیر تک نعرے لگتے رہے جسکی وجہ سے انکی ساری تقریر نہیں سنی جا سکی۔ اسی دوران حضرت آیت اللہ خامنہ ای تشریف لائے۔ ان کے نورانی چہرے پر نظر پڑی تو میرے آنسو نکل پڑے۔ میں خود پر قابو نہیں پارہا تھا۔ انہیں میں نے اس سے پہلے دو بار بالمشافہ اور انتہائی قریب سے دیکھا تھا ایک بار جب ہم مسجد جمکران میں اعتکاف پر تھے اور انہوں نے ایک صبح وہاں نماز پڑھائی تھی اور دوسری بار جب انہوں نے میرے سر پر اپنے مبارک ہاتھوں سے عمامہ رکھا تھا۔ میں نے اس موقعے کشمیری طلاب کے کہنے پر انہیں ان کا (کشمیری طلاب کا) سلام کہا تھا اور انہوں نے جواباً فرمایا تھا ''وفقکم اللہ (خدا تمہیں کامیاب کرے)''۔ بہر حال۔ ''ماہمہ سرباز تو ئیم خامنہ ای (ہم سب آپ کے سپاہی ہیں، خامنہ ای)'' کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ ہی انکی تقریر شروع ہوئی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں امام خمینی کی صفات پر شاندار بحث کی اور فرمایا کہ امام خمینی کی عظیم صفت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا بندہ بنایا تھا اور یہ صفت انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ''عبدہ ورسولہ'' ہونے سے حاصل کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ حضرتِ امام خمینی کی دوسری بڑی صفت ''خلق عظیم'' کا حامل ہونا تھا اور اس صفت نے انہیں لوگوں کے دلوں کا امام بنادیا۔ حضرت آیت اللہ خامنہ ای نے اپنی تقریر میں امام خمینی کی جو سب سے بڑی صفت بیان کی وہ انکا ''انقلابی بودن'' انقلابی ہونا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اسی صفت کی وجہ سے دنیا کی نام نہاد طاقتیں ان کی دشمن ہوگئیں اگرچہ امام خمینی نے ان کی اس دشمنی کی کبھی بھی پرواہ نہیں کی۔ انہوں نے تاکید کی کہ ہر انسان کو انقلابی ہونا چاہئے اور اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ انقلابی ہونے کا ٹھیکہ صرف کچھ افراد کے سر ہے تو یہ ایک غلط فکر ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ انقلاب بڑی قیمت دیکر حاصل کیا ہے اگرچہ آج ہمیں اس کے ثمرات نظر آنے لگے ہیں۔ امریکہ کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے ان لوگوں کو ہوشیار رہنے کیلئے کہا جو امریکہ کی سازشوں کا شکار ہو کر امریکہ کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہونے لگے ہیں، انہوں نے کہا کہ امریکہ اور اسکے حواریوں کی طرف سے ایران دشمنی کا سب سے بڑا ثبوت ایران پر اقتصادی پابندیاں ہیں اور امریکی افواج کی طرف سے ایران کے ایک مسافر بردار طیارہ کا مار گرانا امریکہ کی ایران دشمنی نہیں تو اور کیا ہے انہوں نے کہا کہ امام خمینی نے انقلاب کو ایک سمت دیکر اسے پٹری پر ڈالدیا اور اسے مقصد تک پہنچانا ہماری ذمّہ داری ہے۔ حضرت آیت اللہ خامنہ ای نے اس بات کا اعتراف کیا کہ جہاں جہاں ہم نے انقلاب کے اصولوں سے بے اعتنائی کی ہم پیچھے رہ گئے اور جہاں ہم نے ان کی آبیاری کی ہم آگے بڑھ گئے۔ ان کی تقریر کے ساتھ ہی یہ پروگرام ختم ہوا اور ہم لوگ واپس

تہران آ گئے۔ ہم نے آسمان میں کئی ہیلی کاپٹر گشت کرتے دیکھے جو شاید حضرت آیت اللہ خامنہ ای کو لینے آئے تھے۔

اس پروگرام سے واپسی پر اور کھانا کھانے کے بعد ہم میٹرو کے ذریعے تہران کے مضافات میں واقع ''شہرری'' گئے (شہرری وہی شہر ہے جسے عمر ابن سعد کو عبید اللہ ابن زیاد نے، امام حسین علیہ سلام کو شہید کرنے پر دینے کا وعدہ کیا تھا) جہاں حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے پر پوتے شاہ عبد العظیم رضوان اللہ علیہ کی زیارت گاہ ہے۔ ہم زیارت کر کے پھر میٹرو سے واپس آ گئے۔ یہ شعبان کے آخری دن تھے اور ماہ رمضان کی آمد آمد تھی۔ میں نے میٹرو میں ایک سٹیکر چسپاں دیکھا جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی یہ حدیث درج تھی ''اگر میری امّت کو ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہو جائے تو یہ امّت پورا سال ماہ رمضان ہونے کی آرزو کرتی!'' یہی ہے اسلامی مملکت جہاں ٹرینوں اور بسوں میں بھی احکام خدا یاد دلائے جاتے ہوں۔

نورانی سفر:

مرقد امام سے واپسی پر ہمیں بتایا گیا کہ اگلے روز (۴ جون، سنیچر) ہمیں مشہد مقدّس جانا ہے اور ہمیں صبح سویرے چھ بجے ایرپورٹ پہنچنا ہوگا۔ میں فرط مسرّت سے رات بھر جاگتا رہا۔ تین بجے صبح میں نے غسل زیارت کیا اور نماز اور ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ہم مہر آباد ہوائی اڈّے پہنچے جہاں سے ہمیں ایران کی سرکاری آیر لائنز (ایران آئر ''ھما'') کے طیارے کے ذریعے مشہد مقدّس لیجایا گیا۔ سوا گھنٹے کے سفر کے بعد ہم مشہد مقدّس کے بین الاقوامی آیرپورٹ پر اترے۔ جونہی ہمارے طیارے نے مشہد کی سرزمین کو چھوا، سبھی مسافروں نے بلند آواز میں ایک صلوات پڑھی۔ یہ شاید دنیا کی واحد پرواز رہی ہوگی جہاں لوگ اپنے مقصد تک پہنچنے پر ناچ گانے کے بجائے محمّد وآل محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر درود پڑھتے ہوں۔ ہوائی اڈّے پر کالج طالبات کے ایک گروپ نے ہمیں گلاب کے پھول دیکر ہمارا استقبال کیا۔ حسب معمول یہاں بھی شاندار بسوں میں بٹھا کر ہمیں حضرت امام رضا علیہ السلام کے مرقد مبارک پہنچایا گیا۔ یہ منظر قابل دید تھا۔ ہم بسوں سے اترے تو دیکھا کہ آستان قدس رضوی کے سبھی خادم، ملازم اور آفیسر دو قطاروں میں کھڑے ہمارا استقبال کر رہے تھے۔ میں زار و قطار رونے لگا کہ ہم اس شاندار استقبال کے کسی بھی طرح قابل نہیں ہیں۔ ہمیں ایک خاص ہال میں پہنچایا گیا جہاں جوس سے ہماری تواضع کی گئی۔ اس کے بعد ہی ایک قاری نے انتہائی خوبصورت آواز میں ''سورہ دہر'' کی تلاوت کی۔

اس کے بعد زیارت امین اللہ پڑھی گئی۔ ہر آنکھ خوف خدا میں آنسوؤں سے تر نظر آئی۔ اسکے بعد ہمیں امام علیہ سلام کے مرقد مطہر کی زیارت کی لئے لے جایا گیا جہاں عام طور پر دن رات ایک ہی جیسی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ زیارت سے فارغ ہو کر ہم نے اس نورانی مرقد کے متولّی حضرت آیت اللہ رئیسی کی امامت میں نماز ادا کی۔ اس کے بعد ہمیں امام رضا علیہ سلام کے مہمان خانے (لنگر) میں دوپہر کا کھانا کھلایا گیا۔ واضح رہے کہ اس لنگر سے کھانا کھانے کی تمنا ہر زائر کے دل میں ہوتی ہے، خاصکر ایرانی عوام اس مقدس غذا کے حصول کیلئے ایک طویل مدّت تک انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اس سب سے فارغ ہو کر ہمیں یہاں کے ایک فایو سٹار ہوٹل ''ہوٹل نگین'' لے جایا گیا جہاں ہمیں تین چار گھنٹے تک آرام کرنے کیلئے کہا گیا جس کی کوئی بھی ضرورت مجھے نظر نہیں آئی۔ ہوٹل انتظامیہ کی طرف سے مہمانوں کیلئے کئی طرح کے میوے پیش کئے گئے لیکن شاید انہیں اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اتنے مہمانوں کو سنبھالنا ان کیلئے آسان نہیں تھا۔ یہاں کمروں کی الاٹمنٹ میں جس بد نظمی کا مظاہرہ مہمانوں نے کیا وہ نا قابل بیان ہے۔ میں دور تماشائی بنا اس ساری صورتحال کا مشاہدہ کرتا رہا۔ شام ہوتے ہی ہمیں واپس ہوائی اڈے لیجایا گیا لیکن فلائٹ میں تاخیر کی وجہ سے ہم رات کو ۱۲ بجے واپس تہران آ گئے۔

اب ہم آزاد سے تھے کیونکہ سرکاری طور پر اب کوئی بھی پروگرام نہیں تھا اس لئے میں نے قم جانے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے ایک ٹیکسی لی اور تقریباً ساڑھے بارہ بجے قم پہنچے۔ یہ قم میرے زمانے کا قم نہیں تھا۔ ''رودِ قم'' نامی دریا کے بیچوں بیچ ایک شاندار سڑک نکالی گئی ہے اور کئی منزلہ پارکینگ تعمیر کی گئی ہے۔ سامنے

حضرت فاطمہ معصومہ (کریمہ اہلبیت) سلام اللہ علیہا کا حرم نظر آیا تو دل فرط مسرت سے جھوم اٹھا۔

حرم کے سامنے ہی قم کی مشہور مسجد ''مسجد امام حسن عسکری علیہ سلام'' ہے، وہاں سے آنے والی تلاوت قرآن کی آواز نے یاد دلایا کہ تھوڑی ہی دیر میں ظہر کی اذان ہونے والی ہے کیونکہ ایران میں ہمیشہ ہر اذان سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے۔ وضو کر کے مسجد میں داخل ہوئے تو کچھ آرام سا ملا کیونکہ باہر ۴۲ (بیالیس) ڈگری سیلسیس کی گرمی تھی جو واقعاً ناقابل برداشت تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر ایک کشمیری طالب علم مظفر حسین کے گھر واقع خاکفرج چلے گئے اور کھانا کھانے اور کچھ دیر آرام کے بعد حرم کی طرف چلدئے۔ یہاں فقہی مسائل کا ایک ''سوال و جواب'' کا پروگرام چل رہا تھا۔

نماز اور زیارت سے فارغ ہو کر قم کے بازاروں کا ایک چکر لگایا کہ کچھ یادیں تازہ ہو جائیں۔

اگلے روز مسجد جمکران چلے گئے نماز اور دیگر اعمال سے فارغ ہو کر یہاں بانٹے جانے والے

''آب گوشت'' کو نوش کرنے کے بعد واپس قم آ گئے۔ میری واپسی اگلی روز تھی اسلئے میں نے، جتنا ممکن ہو سکے، دوستوں وغیرہ سے ملنے کا پروگرام طے کر لیا لیکن میرے پاس فون کی سہولیت نہیں تھی اس لئے میں سبھی دوستوں سے نہیں مل سکا۔ آج رات اپنے ایک مخلص اور محسن ایرانی دوست جناب حجۃ الاسلام والمسلمین سید جواد حسینی کے گھر گزاری۔ ایران میں ماہ رمضان کی پہلی تاریخ کا اعلان ہو چکا تھا اسلئے وہ خود تو روزے دار تھے لیکن صبح سویرے اپنے ہاتھوں سے میرے لئے ناشتے کا انتظام کیا جو مجھے عجیب سا لگ رہا تھا۔

میرا یہ سفر ادھورا رہتا اگر میں اپنے مدرسے ''مدرسہ امام خمینی'' کو دیکھنے نہ جاتا اس لئے میں نے کسی طرح خود کو وہاں پہنچا ہی لیا۔ یہاں امتحانات سے پہلے کی چھٹیاں چل رہی تھیں اور بہت کم طلباء یہاں حاضر تھے، اس لئے کچھ پرانے دوستوں سے ملاقات نہ ہو سکی جسکی مجھے ہمیشہ کسک رہے گی۔

میں مدرسے میں داخل ہو ہی رہا تھا کہ یہاں کے ایک ملازم نے آواز دی ''آقای مظفر! شما ای''

(مظفر صاحب یہ آپ ہیں!) ''میں نے انہیں پہچان تو لیا لیکن انکا نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ انہوں کے کہا:

''نہیں پہچانا، میں رحمانی۔۔۔ اوہ آقای رحمانی۔۔۔ آپ۔۔'' یہ میرے زمانے سے ہی اس مدرسے کے کچن میں ملازم ہیں۔ بہر حال میں اندر داخل ہوا اور آقای عربی کو ڈھونڈھنا شروع کیا۔

آقای محمد عربی میرے زمانے میں اس مدرسے کے امور مالی کے انچارج تھے اور میرے بہت ہی گہرے دوست بھی۔ بلکہ یہ کہوں کہ انکے ساتھ میرے گھریلو سطح کے تعلقات تھے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ ٹیلی فون آپریٹر نے جب انہیں بتایا کہ میں ان سے ملنے آیا ہوں تو وہ خود ہی باہر چلے آئے اور زور زور سے ''آقای مظفر، آقای مظفر'' چلاتے ہوئے مجھے پُر تپاک انداز میں گلے سے لگایا میری آنکھیں تر ہوئیں اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے کوئی کھوئی ہوئی چیز برسوں بعد مل گئی ہو۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئے لیکن چونکہ آج پہلا روزہ تھا اس لئے وہ میری تواضع نہیں کر سکے۔ جناب عربی صاحب اب امور خانوادگی کے ڈائرکٹر ہیں اور اس مدرسے کے سینیر آفیسروں میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ بڑی دیر تک بات کی اور جاتے وقت مجھے ایران کے اعلیٰ قسم کے خرما کا ایک ڈبہ بھی دیا اس کے بعد میں ایک اور پرانے دوست اور یہاں کے ایک اور ملازم جناب دہفولی سے بھی ملا اور واپس خاکفرج، مظفر کشمیری کے گھر آ گیا۔

اس دوران میری ملاقات اپنے ایک عزیز تنویر حسین سے ہوئی جو وہاں قم میں کئی سال سے زیر تعلیم ہیں۔ انکی شادی محترمہ رئیسہ کے ساتھ ہوئی ہے جو میری طالب علمی کے زمانے میں ہی قم آئی تھی اور ان دنوں ایک چھوٹی بچی تھی۔ اس نے مجھے پہچانا اور اس بات کو لیکر اسے بڑا دکھ تھا کہ میں اسی دن وہاں سے دہلی کیلئے نکلنے والا تھا اور وہ میری کوئی خاطر تواضع نہیں کر سکی۔

میں نے پرنم آنکھوں سے ان سے رخصت حاصل کی تا کہ تہران ہوائی اڈے کیلئے نکلوں، ایک ٹیکسی لی اور امام خمینی بین الاقوامی ہوائی اڈے کی طرف چلدیا اگر چہ میرا دل نہیں مان رہا تھا لیکن ''ہر آنے والے کو ایک دن جانا ہی ہوتا ہے'' کے مصداق میں بھی چلا آیا۔ ڈرائیور کے ساتھ اس ایک گھنٹے کے سفر کے دوران جتنی باتیں ہوسکتی تھیں، کرلیں کیونکہ نہ معلوم کب کسی ایک عام ایرانی سے اس طرح گفتگو ہو سکے۔ اس نے بھی میرے ساتھ بہت ہی انکساری اور شیرینی کے ساتھ باتیں کیں اور مجھے ایرانی انقلاب سے پہلے اور اسکے بعد کے زمانے میں فرق بتاتے ہوئے کہا کہ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد ایرانیوں نے سر اونچا کر کے جینا سیکھا ہے اور وہ اس اعزاز کو بھوک پیاس اور بے خانماں ہونے باوجود بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے اور اگر دنیا والے سارے مل کر بھی ان پر ہر طرح کی پابندیاں لگائے تو بھی انکے پائے ثبات میں کسی طرح کی لغزش پیدا نہیں ہو سکے گی! اس کی ان باتوں نے اگر چہ مجھے زیادہ متاثر نہیں کیا کیونکہ تقریباً ہر ایرانی کی یہی سوچ ہے لیکن ایک بات ضرور تھی کہ اس کی باتوں میں ایک یقین تھا اور اسی یقین کے ساتھ ہر ایرانی زندہ ہے۔

یہاں سے جو میرے ساتھی مولانا نذیر احمد اور سید عابد گئے تھے وہ وہیں رہ گئے۔ کیونکہ انہوں نے پہلے ہی سے ٹکٹ اسی طرح کا لیا تھا۔

اس سفر کو اگر میں اپنی زندگی کا سب سے مقدّس، نورانی اور یادگار سفر کہوں تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ امید ہے کہ آئندہ بھی اس طرح کے سفر درپیش ہونگے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی بارگاہ میں میری یہ زیارت مقبول ہو کر میری ابدی نجات کا سبب بنے گی!